سورة الحاقة

مکی ہے اور ۵۲ آیات ہیں

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مکہ میں نازل ہوئی اور ابن زبیرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔اور ابو ہریرہؓ سے روایت کی گئی رسول اللہ ﷺ فجر میں الحاقہ پڑھتے تھے۔(طبرانی)

بسم الله الرحمن الرحيم

(۱) **اَلْحَاقَّةُ** (ترجمہ:۔قیامت یعنی)الحاقہ کے معنی الساعة الحاقة اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہر اچھے برے انسان کو لاحق ہونے والی ہے۔یہ زجاج کا قول ہے فراء نے کہا کہ اسے حاقة اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں ثواب وامور وغیرہ کے حقائق ہیں الحقة کے معنی ہیں حقیقت الامر۔اس نے کہا کہ عرب کہتے ہیں جب تم نے مجھ سے حق کو حقیقت کو پہچان لیا تو بھاگ لیا۔الحقة و الحاقة ایک ہی معنی ہیں اور القيامة کو حاقة کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ اللہ کے دین میں باطل طرح سے دلیلیں دینے والے کو حقیقت امر سے آگاہ کردے گی یعنی ہر جو مجادل ومخاصم شخص کو مغلوب ومجبور کردے گی۔یہ حاققة 'احاقة' حقاقا ومحاقة سے ماخوذ ہے۔یعنی اس پر غالب وکامران کردیا گیا۔الکسائی اور المورج نے کہا الحاقة کا مطلب يوم الحق ہے۔ابن عباسؓ وغیرہ نے کہا کیونکہ یہ اشیاء کے حقائق کو ظاہر کرتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ الحاقہ' العاقبة اور العافية کی طرح ہے۔ابواسحاق نے کہا الحاقة مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے۔

(۲) **مَاالْحَاقَّةُ** (ترجمہ:۔الحاقہ کیا ہے)اور'ما' بھی مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور الحاقة 'ما' کی خبر ہے۔اور معنی ہیں اس کی حالت کی بڑائی۔گویا کہ کہا الحاقہ اور بعض مفسرین نے کہا کہ ما استفہام ہے مگر اس سے حقیقت مراد نہیں بلکہ اس کی عظمت مراد ہے۔

(۳) **وَمَا اَدْرٰكَ مَاالْحَاقَّةُ** (ترجمہ:۔آپ کیا سمجھیں کہ الحاقة کیا ہے)''ما'' کی جگہ رفع ہے اور اگر چہ یہ ادراک کے بعد ہے۔معنی ہیں آپ کو کس چیز نے الحاقة سے متعارف کرایا اور یہ جملہ حالتِ نصب میں ہے۔اور اس میں اس کی شان کی اور حالت کی ہولنا کی ہے۔اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ قیامت سے اگر چہ آگاہ تھے لیکن اس کی کنہ اور حقیقت سے آگاہ نہ تھے۔اس لئے اللہ نے فرمایا۔وما ادراک ما الحاقة .

(۴) **كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ ۢبِالْقَارِعَةِ** (ترجمہ:۔ثمود وعاد نے قیامت کو جھٹلایا تھا)قارعة سے مراد قیامت ہے۔اور اسے یہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کو اس کی ہولنا کی کی شدت سے لرزا دیتی ہے۔مبرد نے کہا اس سے مراد احکام الٰہی ہیں جو ان کے انبیاءؑ پر دنیا میں نازل ہوئے اور وہ اس کے ذریعہ ان کے قلوب کو لرزا دیتے تھے۔پھر بھی وہ لوگ انہیں جھٹلاتے تھے۔اور یہ تاویل اللہ کے اس ذکر سے مخالف ہے وہ القارعة مالقارعة وما ادراک ماالقارعة يوم يكون الناس كالفراش المبثوث الخ ہے۔جمہور نے کہا القارعة سے مراد نفس القيامة ہے کیونکہ اس کی ہولنا کی سے قلوب لرز اٹھیں گے۔یہ القارعة اس

دن ہوگی جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں (پتنگوں) کی طرح ہوں گے۔

(۵) **فَاَمَّا ثَمُوۡدُ** (ترجمہ جہاں تک ثمود کا تعلق ہے) وہ حضرت صالحؑ کی قوم تھی اوران کی بستیاں شام وحجاز کے درمیان الحجر میں تھیں۔ابواسحاق نے کہا وہ وادی القریٰ تھی۔ **فَاُهۡلِكُوۡا بِالطَّاغِيَةِ** (ترجمہ:۔تو وہ بجلی کی کڑک سے ہلاک کردئے گئے) ابن زید نے کہا **الطاغية** اسم ہے اونٹنی کو ذبح کرنے والے کا یعنی انہیں (اونٹنی) اس کے گناہ کی وجہ سے ہلاک کیا گیا۔ زجاج نے کہا **الطاغية** کے معنی ہیں ان کی سرکشی اور یہ اسم ہے **العاقبة** اور **العافية** کی طرح۔قتادہ نے کہا اللہ نے ان پرایک چیخ بھیجی یعنی وہ عذاب کی چیخ (چنگھاڑ) سے ہلاک کردئے گئے۔اور کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد کفر اور ظلم ہے۔اوراسی پر شاعر نے کہا۔

وان ركبوا طغيانهم و ضلالهم فليس عذاب الله عنهم بلابث

(۶) **وَاَمَّا عَادٌ** (ترجمہ:۔جہاں تک عاد کا تعلق ہے) یہ ھودؑ کی قوم تھی اور یہ لوگ **الاحقاف** میں رہتے تھے۔جو عمان وحضر موت کے درمیان یمن کا صحرائی علاقہ ہے۔**فَاُهۡلِكُوۡا بِرِيۡحٍ** (ترجمہ:۔تو وہ آندھی کے ذریعہ ہلاک کئے گئے) یعنی مغرب سے آنے والی آندھی (پچھوا) **صَرۡصَرٍ** (ترجمہ:۔سخت ٹھنڈ) شدید ٹھنڈی۔**الصر** سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ٹھنڈک۔یہ بھی کہا جاتا ہے **شديدة صوت**.مجاہد نے کہا **الشديد السموم** یعنی شدید لُو۔**عَاتِيَةٍ** (ترجمہ:سخت تند) **عتو** سے ہے۔اوراس کے معنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔یعنی یہ پچھوا ہوا اپنے مخزن سے تجاوز کرکے بہت زیادہ مقدار میں نکلی کہ جس سے وہ چھپ نہ سکے۔یا اللہ نے اس میں سرکشی کی صفت پیدا کردی اس کی شدت رفتار اور شدت گرج کی وجہ سے **عاتية** سے موصوف فرمایا ہے۔

(۷) **سَخَّرَهَا** (ترجمہ اس کو اللہ نے مسلط کردیا) یعنی اللہ نے تند آندھی کو مسلط کردیا اور زجاج نے کہا اسے قائم رکھا۔ **عَلَيۡهِمۡ سَبۡعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوۡمًا** (ترجمہ:۔ان پر سات راتیں اور آٹھ دن) یعنی (**متتابعات**) یکے بعد دیگرے ابن عباسؓ ۔عکرمہ۔مجاہدؒ اور ابو عبیدہ نے کہا کہ **تباعا** (مسلسل) اس میں کوئی انقطاع واقع نہ ہوا۔اوراسی سے کسی شاعر نے کہا۔

ففرق بين جمعهم زمان تتابع فيه اعوام حسوم

(زمانہ نے ان کے اجتماع کو متفرق بنادیا اوراس میں کاٹنے والے سال ایک کے بعد دوسرے آتے رہے) اور یہی قول فراء کا ہے۔ابن سیدہ نے کہا کہ میری نظر میں بطور خاص برائی میں تسلسل۔اور مبرد نے کہا **حسمت الشئی** یعنی کسی چیز کو اس کے غیر سے کاٹنا۔اوراسی سے **الحسام** ہے لیث اور خلیل نے کہا **شوماً** و **نحساً** (بدفال اور نحوست کے ساتھ) زجاج نے کہا **حسوماً** کے معنی کے بارے میں جولغت واجب کرتی ہے۔یعنی **تحسبهم حسوماً** یعنی تباہ و برباد کردیتی ہے۔**الليالى حسوم والا يام الحسوم** ان دنوں اور راتوں کو کہتے ہیں جو ان لوگوں سے خیر کو جڑ سے مٹا دیتی ہے۔اور ابن زید نے کہا **حسوما** جمع **حاسم** کی ہے۔یعنی وہ دن جنہوں نے ان کے ٹکڑے کردیئے ہلاکت کے ذریعہ۔صاحب الکشاف نے کہا یہ مصدر ہے تو یہ فعل مضمر کی وجہ منصوب ہے یعنی **تحسم حسوماً** بمعنی جڑ سے اکھاڑ پھینکنا (**تستاهل استيصالاً**) یا صفت ہے جیسے آپ کہتے ہیں **ذات حسوم** یا **مفعول له** ہے

یعنی سخرھا لا ستیصالھم (یعنی اللہ نے اسے ان کے استیصال کی وجہ سے مسخر کر دیا) اور حسوما کو ’حا‘ پر زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ”الریح“ کے حال کے طور پر۔ اور الایام سے مراد ایام العجز ہیں۔ یعنی موسم سرما کے آخری حصے میں سات روز جس کے نام یہ ہیں۔ الصین الصنبر (سخت سردی) الوبر (سخت سردی کا سب سے چھوٹا دن) الآمر‘ الموتمر ‘ المعلل ‘ مصفی الجمر اور کہا جاتا ہے کہ مکفی الطعن۔ یہ وہ ہے جو ابوحیان نے ذکر کیا اور ان پر عذاب کے آغاز کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے غداة لاحد یا غداة الجمعة‘ غداة الاربعاء ہے اور اس کا آخری دن بدھ (یوم الاربعاء) ہے۔ **فَتَرَى الْقَوْمَ** (ترجمہ:۔ پس تم ان لوگوں کو دیکھو گے) یہ خطاب ہر اس شخص سے ہے جو اپنی اصلاح چاہتا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ سے علی سبیل الفرض یعنی اس کے معنی ہیں اگر آپ وہاں حاضر ہوتے تو دیکھتے۔ **فِيهَا** (ترجمہ:۔ ان میں) یعنی ان شب و روز میں **صَرْعٰى** (ترجمہ:۔ زمین پر بچھائے ہوئے) صریع کی جمع ہے جیسے مریض کی جمع مرضیٰ ہے مقاتل نے کہا یعنی موتیٰ (مردے) یعنی وہ موت کی وجہ سے زمین پر چت ہو گئے۔ یہ تریٰ کا مفعول ثانی ہے یا اس کا حال ہے۔ **كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ** (ترجمہ:۔ گویا وہ کھجور کے گرے ہوئے درختوں کی جڑیں ہیں) یہ جملہ قوم سے حال ہے یا مستانفہ کلام ہے۔ اور اعجاز نخل کے معنی ہیں کھجور کی جڑیں۔ نخل مذکر اور مونث دونوں طرح سے آتا ہے۔ اور خاوية کے معنی ہیں خالی‘ جس کے پیٹ میں کچھ نہ ہو (کھوکھلا) کیونکہ ان کے بدن روحوں سے خالی ہو گئے تھے یا اس وجہ سے کہ ہوا ان کے منہ میں داخل ہوتی تھی۔ تو ان کے بطن سے انتڑیوں کو نکال دیتی تھی‘ اصل ’خوا‘‘ کا لفظ ’دار‘‘ کی صفت کے طور پر آتا ہے کہا جاتا ہے حوت الدار یعنی تھدمت (اس نے اسے منہدم کر دیا) اور اسی سے اللہ کا ارشاد ہے۔ فتلک بیوتھم خاوية (النمل ۵۲) جس کے معنی ہیں گرے ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں خالی۔ خنساء کا شعر ہے۔

کان ابو حسّان عرشا خویٰ مما بناه الدار دان ظلیل

کبھی کبھار ’خوا‘‘ کے معنی جڑ سے اکھاڑنا بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب اللسان نے کہا ہے۔ اس طرح خاوية کے معنی ہیں جڑ سے اکھڑا ہوا اور یہ اسے اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ جڑ سے جدا ہو جائے جس میں اس کی بنیاد تھی اور بنیاد اس سے ٹوٹ کر الگ ہو جائے۔

(۸) **فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ** (ترجمہ:۔ تو کیا تو ان میں سے کسی کو باقی دیکھتا ہے) اس میں تین وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد البقية دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد نفس باقية اور تیسری وجہ ہے کہ اس سے مراد بقاء ہے جس طرح طاغية بمعنی طغیان آتا ہے۔ صاحب اللسان نے کہا ہے کہ باقية کا لفظ مصدر کے قائم مقام لایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے ما بقیت منھم باقية ولا وقاھم اللہ من واقية ۔ فراء نے کہا ہے کہ یہی معنی باقية کے ہیں یعنی کسی قسم کی بقاء۔ حکایت ہے کہ جب ان پر عذاب آیا تو انہوں نے آپس میں کہا کہ آؤ کھڑے ہو جاؤ ہم سب مل کر اپنی قوم سے اس عذاب کو ٹالیں گے۔ پھر وہ کھڑے ہو گئے اور وادی میں صف بستہ ہو گئے۔ تو اللہ نے ہوا کے فرشتے کو حکم فرمایا کہ روزانہ ان میں سے ایک کو جڑ سے اکھاڑ دو۔ ابن جریر نے کہا کہ وہ لوگ ہوا کے

عذاب میں سات راتیں اور آٹھ دن زندہ رہے آٹھویں دن کی شام سب کے سب مر گئے اور ہوا نے انہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔

(۹) **وَجَآءَ فِرۡعَوۡنُ وَمَنۡ قَبۡلَهٗ** (ترجمہ:۔اور فرعون نے اور اس سے پہلے والوں نے کی) جمہور نے قبلہ کو قاف کی زبر اور با کے جزم سے پڑھا ہے۔یعنی قرون ماضیہ سے پہلے گذرے ہوئے لوگ' نیز اسے قاف کی زبر اور با کی زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی وہ لوگ جو اس کے پیروکار تھے اور اسے ومن معه بھی پڑھا گیا ہے۔اس سے قبلہ میں قاف کی زیر اور با کی زبر والی قراءۃ کی تائید ہوتی ہے۔اور ابن مسعودؓ اور ابی اور ابوموسیٰ نے ومن تلقاء ہ بھی پڑھا۔اور صرف ابیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اسے "ومن معه" پڑھا ہے۔اور یہ تمام قراءتیں شاذ ہیں نماز میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔**وَالۡمُؤۡتَفِكٰتُ** (ترجمہ:۔اور اوندھی ہو جانے والی بستیوں کے رہنے والوں نے) وہ لوطؑ کے قوم کی بستیاں تھیں جو اللہ کے عذاب سے الٹ دی گئی۔**بِالۡخَاطِئَةِ** (ترجمہ:۔خطائیں کی تھیں) یہ لفظ مصدر ہے خطاء کی طرح یہ ذات الخطاء العظیم کے معنی میں ہے۔مجاہدؒ نے کہا بالخاطئة یعنی بالخطایا.

(۱۰) **فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ** (ترجمہ:۔تو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی) یعنی امت نے اپنے رسول کی نافرمانی کی اور اس سے مراد موسیٰؑ اور لوطؑ ہیں۔اس آیت سے ظاہر ہے جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول بمعنی رسالۃ کے ہیں **فَاَخَذَهُمۡ اَخۡذَةً رَّابِيَةً** (ترجمہ:۔تو اللہ نے بڑی سخت گرفت سے انہیں پکڑ لیا) زجاج نے کہا ہے یعنی ایسی شدید پکڑ جو تمام دوسری گرفتوں سے زائد ہو۔ جوہری نے کہا کہ اس کا مطلب ہے"زائدۃ" جیسے آپ دیئے ہوئے سے زیادہ لینے پر کہتے ہیں "اربیت"

(۱۱) **اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ** (ترجمہ:۔بیشک پانی جب حد سے گذر گیا) یعنی بلندی میں اپنی حد سے تجاوز کر گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے پانی اپنی نگرانی کرنے والوں کی نگرانی کی حد سے نکل گیا انہیں بھی معلوم نہ تھا کہ کتنا پانی نکل گیا۔نگرانی کرنے والوں سے مراد فرشتے ہیں۔**حَمَلۡنٰكُمۡ فِى الۡجَارِيَةِ** (ترجمہ:۔تو ہم نے تمہیں کشتی میں اٹھا لیا) اسمیں مخاطب ان لوگوں کو کیا گیا جو کشتی والوں کی اولاد میں ہیں۔اور جاریۃ کشتی کے ناموں میں سے ایک ہے اور اسی سے"وله الجوار المنشآت فی البحر" (الرحمٰن ۲۴) ہے۔

(۱۲) **لِنَجۡعَلَهَا** (ترجمہ:۔تا کہ اسے ہم بنادیں) زجاج نے کہا کہ اس میں ضمیر اس معلوم واقعہ کی طرف لوٹ رہی ہے اگر چہ وہ یہاں غیر مذکور ہے۔اور فراء نے کہا تا کہ ہم کشتی کو بنادیں۔امام رازی نے کہا کہ یہ قول ضعیف ہے پہلا قول بہتر ہے۔ **لَكُمۡ تَذۡكِرَةً** (ترجمہ:۔تمہارے لئے نصیحت) اس وجہ سے جو ہلاک ہونے والی قوم اور نجات پانے والی قوم کے لئے واقع ہوا اس میں نصیحت ہے۔قتادہ نے کہا اس امت کے ابتدائی لوگوں نے اس کشتی کو پالیا تھا۔ابن جریج نے کہا ہے کہ اس کے تختے جودی پر تھے اس اعتبار سے سفینہ نوح کا آنے والی امتوں کے لئے تذکرہ بلیغ ہونا صحیح ہے۔اس لئے فراء کا قول ضعیف نہیں ہے۔ **وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ** (ترجمہ:۔اور اسے محفوظ رکھیں محفوظ رکھنے والے کان) یعنی یاد رکھنے والے کان سننے کے بعد اسے یاد رکھیں۔ الوعی کے معنی ہیں دل کا کسی چیز کو یاد رکھنا اور وعی الشئی والحدیث کے معنی ہیں اسے یاد رکھا اسے سمجھا اور اسے قبول کیا اس کا اسم فاعل (واعٍ)

واعی ہے۔ ابوعمامہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ قرآن کو یادرکھنے والے قلب کو عذاب نہیں دے گا۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ اس حدیث کے معنی ہیں جو شخص اس پر ایمان لاتے ہوئے اور عمل کرتے ہوئے سمجھے۔ البتہ جس نے اس کے الفاظ کو یادرکھا اور حدود کو ضائع کر دیا تو وہ اسے یادرکھنے والا نہیں ہے۔ ازہری نے کہا ہے کہ اوعہ کے معنی ہیں کسی چیز کو اپنے برتن میں محفوظ کر لینا۔ جوہری نے کہا ہے کہ جب کسی چیز کو آپ برتن میں رکھ دیں تو کہتے ہیں اوعیت والزاد والمتاع۔ عبید بن ابرص کا شعر ہے۔

الخير يبقى وان طال الزمان به والشر اخبث ما اوعيت من زاد

(خیر پر کتنا ہی زمانہ گذرے باقی رہتا ہے شر محفوظ شدہ بدترین زاد ہے) زجاج کہتا ہے کہ جو چیز کسی برتن میں محفوظ کر لی جائے تو اس کے لئے اوعیتہ کہا جاتا ہے۔ اور جب کوئی چیز دل میں محفوظ کی جائے تو اس کے لئے الف کے بغیر وعیتہ کہا جاتا ہے۔ فراء کہتے ہیں اس آیت کے معنی ہیں تا کہ اسے نصیحت حاصل کرنے والا کان یاد کر لے۔ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ وعیة کو نکرہ اور واحد کیوں لایا گیا ہے تو اس کا جواب ہے کہ یہ بتلانے کے لئے کہ (نصیحت پذیری والی) یادداشت کی کمی تھی اور اس کمی پر توبیخ ہے یہ بتلانے کے لئے کہ ایک ہی کان جب اللہ کی کوئی بات سن کر سمجھ لے تو وہ اس کے نزدیک سواد اعظم کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس کے علاوہ اگرچہ مشرق ومغرب کے درمیان کثیر تعداد میں پھیلے ہوئے لوگ ہوں مگر وہ کسی شمار میں نہیں آتے۔ اور اس مقصد کی طرف اللہ کا یہ ارشاد "وقليلاً ما يومنون" (البقرة ۸۸) اشارہ کرتا ہے۔ بریدہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں دین سکھاؤں تمہیں قصہ نہ بتاؤں اور مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں علم سکھاؤں اور تم اسے یادرکھو اور اسے یادرکھنا تم پر لازم ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۱۳) فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ (ترجمہ:۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا ایک بار) اسے نصب کے ساتھ پڑھا گیا اس لئے کہ فعل جار مجرور کی طرف مسند ہے پھر نفخة کو مصدر ہونے کی وجہ سے زبر دے دی گئی۔ یہاں پھونکنے سے نفخة اولی مراد ہے۔ جس سے دنیا کی تباہی لازم آئے گی۔

(۱۴) وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ (ترجمہ:۔ اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھالیا جائے گا) یعنی انہیں ان کی جگہوں سے اکھیڑ لیا جائے گا اور بلند کر لیا جائے گا۔ اس کا سبب یا تو ارادہ الٰہیہ ہے جو عظیم زلزلوں کی صورت میں واقع ہوتا ہے یا شدید ہوا کی صورت میں۔ جو پہاڑوں اور زمینوں اور مکانات کو اکھاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ یا فرشتے کی قوت کی صورت میں یا اس کا سبب بغیر ظاہری سبب کے قدرت الٰہیہ ہے۔ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً (ترجمہ: وہ ایک بار ہی میں ریزہ ریزہ کر دئے جائیں گے) یعنی پہاڑ اور زمین الدُکّ. الدقّ سے زیادہ بلیغ ہے۔ کہا گیا ہے کہ دق کے معنی ہیں اجزاء کا مختلف ہو جانا ہے اور دک کے معنی ہیں ان کا جدا ہو جانا بکھر جانا۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے هباء منثورا (الفرقان ۲۳) ابوحنیفہؒ ابوزید سے نقل کرتے ہیں کہ جب سطح مٹی سے بھر جائے تو کہا جاتا ہے کہ دكت التراب عليه اور جب کسی چیز پر ضرب لگا کر توڑ کر زمین کے ساتھ برابر کر دیں تو اس وقت کہا جاتا ہے دككت

الشئی معنی ہیں کہ وہ ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ ہوکر بکھر بھری ریت اور منتشر غبار بن جائیں گے۔تو پہاڑوں اور زمین کے اجزاء ایک دوسرے سے متمیز نہیں ہوسکیں گے۔فراء کہتا ہے کہ یہاں پر فدککنا نہیں فرمایا گیا کیونکہ تمام پہاڑوں کو ایک ہی پہاڑ تصور کیا گیا۔ ہے اس کی مثال اللہ کا یہ قول ہے۔ ان السموات و الارض کا نتا رتقا ففتقنا هما"(الانبیاء ۳۰)

(۱۵) **فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ** (ترجمہ:۔تو اس دن واقع ہونے والی واقع ہوجائے گی) یعنی قیامت قائم ہوجائے گی

(۱۶) **وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ** (ترجمہ:۔اور آسمان پھٹ جائے گا وہ اس دن کمزور ہوجائے گا) یعنی آسمان پھٹ جائے گا ایک دوسرے سے جدا ہوجائے گا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا پھٹنا فرشتوں کے نازل ہونے والوں کی وجہ سے ہوگا۔ارشاد ربانی ہے۔یوم تشقق السماء بالغما م ونزل الملائكة تنزيلا۔(الفرقان ۲۵) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا پھٹنا قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا پھٹنا آسمانی اور کوکبی گردش کے فساد کی وجہ سے ہو۔جس سے ان کے درمیان عظیم تصادم واقع ہوجائے گا جس سے آسمان پھٹ جائیں گے اور کواکب منتشر ہوجائیں گے اور پھر یہ عجیب وغریب نظام باطل ہوجائے گا۔فراء کہتا ہے کہ اس کی کمزوری سے مراد اس کا پھٹ جانا ہے۔اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ واهية کے معنی ہیں متخرقة یعنی گرجانے والی چیز جو کہ دھنی ہوئی اون کی طرح گرفت میں نہ آسکے۔زجاج کہتا ہے کہ جس میں زیادہ کمزوری ہو تو اسے واهية کہا جاتا ہے۔

(۱۷) **وَّالْمَلَكُ عَلٰى اَرْجَآئِهَا** (ترجمہ:۔اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے) یعنی اس کے اطراف میں اور الملک سے مراد جنس ملائکہ ہے۔معنی یہ ہیں کہ آسمانوں کے پھٹنے کے بعد فرشتے ان کے کناروں پر کھڑے ہوں گے پھر وہ دہشت زدہ ہوجائیں گے۔جیسا کہ اللہ نے فرمایا فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء الله۔(الزمر ۶۸) تو وہ شخص بے ہوش نہیں ہوگا۔**وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ** (ترجمہ:۔تیرے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائیں گے) وہ فرشتے جو عرش کو اٹھانے والے ہیں۔

(۱۸) **يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ** (ترجمہ:۔اس دن تم پیش کئے جاؤگے) العرض کے معنی ہیں محاسبہ یعنی اللہ کے پاس اپنے حساب کے لئے پیش کئے جائیں گے۔جیسے لشکر بادشاہ کے روبرو پیش کیا جاتا ہے۔مروی ہے کہ قیامت میں تین پیشیاں ہوں گی۔پہلی دو پیشیاں جھگڑنے اور معذرتیں پیش کرنے والی ہیں۔البتہ تیسری پیشی میں صحائف اعمال کھولے جائیں گے۔نیک بخت افراد اپنے نامہ اعمال کو دائیں ہاتھ اور بدبخت افراد بائیں ہاتھ میں لیں گے۔ **لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ** (ترجمہ:۔تم میں کوئی چھپنے والا چھپ نہ سکے گا) یہ تعرضون کی ضمیر سے حال ہے۔اور تمہارا کوئی بھی راز اللہ پر پوشیدہ نہ ہوگا۔جمہور نے اسے 'تا' کے ساتھ تخفٰی ہی پڑھا ہے۔اور کسائی وحمزہ اور ابوعبید نے یائے تحتانیہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

(۱۹) **فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ** (ترجمہ:۔تو جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا) اپنے اہل سے خوشی خوشی اور سرور کے طور پر کہے گا۔**هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ** (ترجمہ:۔آؤ میرا نامہ اعمال پڑھ لو) هآء بمعنی

خذ ہے۔ابن سکیت اور کسائی کہتے ہیں کہ عرب کہتے ہیں ھاء یا رجل اور دو افراد کے لئے ھاؤ مایا رجلان اور جمع کے لئے ھاؤ م یا رجال۔کہا جاتا ہے ھاو موا اور اس جگہ پر مُ ایسا ہی ہے جیسا کہ انما اور انتم میں ہے اور سیبویہ کہتا ہے کہ ھمزہ کو زبر دیتے ہیں اور اسے مذکر کا علم بناتے ہیں۔جیسا کہ ھاک یا فتی کہتے ہیں اور مونث کے لئے ھمزہ کی زیر کے ساتھ بغیر یا کے ھاء یا امراۃ اور تثنیہ مونث کے لئے ھائیا یا امرأتان۔اور جمع مونث کے لئے ھاؤن یانسوۃ اور اس میں دوسری لغت ھاء یارجل ہے اور ھا آ بمنزلہ ھا عایار جلان اور جمع کے لئے ھاووا یا رجال اور مونث کے لئے ھائی یا امراۃ اور تثنیہ کے لئے ھا آیا امراتان اور جمع کے لئے ھان یا نساہ یہ بمنزلہ ھعن اور اس میں دوسری لغت واحد مذکر کے لئے ہمزہ مکسورہ کے ساتھ ھاء یا رجل اور تثنیہ ھائیایا یا رجلان اور جمع کے لئے ھاوا یا رجال اور مونث ھائی یا امراۃ اور تثنیہ مونث کے لئے ھائیا اور جمع کے لئے ھائین ہے اور ابن زید نے کہا کہ ھآو م کے معنی ہیں آ ؤ۔مقاتل کہتا ہے اس کے معنی ھلّم یعنی لاؤ ہیں۔معنی یہ ہیں کہ مومن فرد کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جب وہ اسے پڑھے گا تو اس میں جنت کی بشارت دیکھے گا پھر وہ اسے اپنے ساتھیوں کو دیگا اور کہے گا آؤ میرے اس نامہ اعمال کو پڑھو۔یعنی اسے پکڑ و اور جو کچھ ہے اسے پڑھو تا کہ تمہیں جنت کے ذریعہ میری کامیابی کا علم ہو جائے۔اور اس پر یہ ارشاد گرامی دلالت کرتا ہے کہ

(۲۰) **اِنِّیۡ ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ مُلٰقٍ حِسَابِیَهۡ** (ترجمہ:۔ بے شک مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو ضرور دیکھوں گا) یعنی مجھے دنیا ہی میں علم تھا کہ میرا آخرت میں محاسبہ ہوگا اور ظن اکثر وبیشتر علم ویقین کا قائم مقام ہوتا ہے کتابیه اور حسابیه میں ''ھا'' سکتہ کی ہے اور جمہور نے اسے وقف اور وصل دونوں حالتوں میں ''ھا'' کی اثبات کے ساتھ پڑھا ہے۔اور ابو عبید نے اس پر وقف کرنے کو پسند کیا ہے۔اولا اس لئے کہ سکتہ کی حالت میں ھا کے الحاق کی صورت میں لغت سے موافقت ہو ثانیا اس لئے کہ مصحف کی تحریر کے ساتھ مطابقت ہو۔نیز وقف وصل دونوں حالتوں میں اسے حذف بھی کیا گیا ہے۔

(۲۱) **فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ** (ترجمہ:۔تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا) یعنی راضی خوشی۔

(۲۲) **فِیۡ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ** (ترجمہ:۔عالیشان جنتوں میں) بلند مکانات میں کیونکہ وہ ساتویں آسمان میں ہے

(۲۳) **قُطُوۡفُهَا دَانِیَةٌ** (ترجمہ:۔اس کے گچھے جھکے ہوئے ہیں) یہ قطف'' کی جمع ہے یہ اسے کہا جاتا ہے جو پھلوں میں سے چنا جائے اور قَطف'' مصدر ہے اور دانیة کے معنی ہیں نزدیک۔

(۲۴) **کُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا** (ترجمہ:۔کھاؤ پیو) یعنی جنت کے کھانے اور اس کے میوے **هَنِیۡٓـئًا** (ترجمہ:۔خوب مزے لے کر) یعنی لذت لیتے ہوئے آسانی سے نگلتے ہوئے اور پاک وصاف۔ **بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ** (ترجمہ:۔اس کے بدلے جو تم نے آگے بھیجا) آگے بھیجے ہوئے نیک اعمال کے بدلے میں۔ **فِی الۡاَیَّامِ الۡخَالِیَةِ** (ترجمہ:۔گذرے ہوئے دنوں میں) یعنی دنیا میں۔

(۲۵) **وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ** (ترجمہ:۔جسے اس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا) اس کی

پیٹھ کے پیچھے سے۔ **فَيَقُوْلُ** (ترجمہ:۔تو وہ کہے گا) حزن وغم کے عالم میں۔ **يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ** (ترجمہ:۔کاش مجھے نہیں دیا جاتا) یعنی ہرگز نہیں عطا ہوتا **كِتٰبِيَهْ** (ترجمہ:۔نامہ اعمال) جب وہ اس میں دکھ اور رسوائی دیکھے گا۔

(۲۶) **وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ** (ترجمہ:۔اور نہیں جانتا اپنا حساب کتاب) یعنی کاش نہ جان پاتا یعنی اپنے حساب کی کوئی چیز

(۲۷) **يٰلَيْتَهَا** (ترجمہ:۔کاش کہ وہی) ضمیر پہلی موت کی طرف لوٹ رہی ہے۔ **كَانَتِ الْقَاضِيَةَ** (ترجمہ:۔فیصلہ کن ہوتی) یعنی زندگی کے لئے حتمی طور پر قطع کرنے والی ہوتی یہاں تک کہ اس کے بعد زندہ نہ کیا جاتا ہے اس عذاب ابدی کے مشاہدہ کی وجہ سے ہوگا۔

(۲۸) **مَآ اَغْنٰى** (ترجمہ بے نیاز نہیں کیا) یعنی دفع نہیں کیا **عَنِّيْ** (ترجمہ:۔مجھ سے) اللہ کے عذاب سے ذرا سا بھی۔ **مَالِيَهْ** (ترجمہ:۔میرے مال نے) یعنی وہ مال جو میں نے فقراء پر بالکل نہیں خرچ کیا تھا۔

(۲۹) **هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ** (ترجمہ:۔مجھ سے میرا اقتدار بھی چلا گیا) جو کہ مجھے دنیا میں حاصل تھا یا مجھ سے میری حجت ودلیل دور ہوگئی اور تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

(۳۰) **خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ** (ترجمہ:۔اسے پکڑو اور طوق پہنادو) یعنی ہاتھ باندھنے کے بعد گلے میں طوق ڈالدو اور مخاطب فرشتے ہیں۔

(۳۱) **ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ** (ترجمہ:۔اور دوزخ میں اسے ڈالدو) مبرد نے کہا اصلیة النار یعنی "اور دته ایاها" اور اسی طرح صلیته ہے اور اس کے معنی ہیں اسے سوائے **الجحیم** کے کہیں اور نہیں ڈالو اور **جحیم** نار عظمٰی ہے۔

(۳۲) **ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ** (ترجمہ:۔پھر اسے ایسی زنجیر سے جکڑو ستر ہاتھ (گز) لمبی ہو اور اس میں ڈالدو) ہر چیز کا ذرع اس کی ایک مقدار کو کہا جاتا ہے اس طرح ذرع کے معنی ہیں ہاتھ سے کسی چیز کا اندازہ کرنا ہے۔ قیس بن الخطیم کا شعر ہے۔

تری قصد المرّان تلقی کانها   تذرّع خرصانٍ بایدی السواطب

فاسلکوہ کے معنی ہیں پھر اسے اس میں داخل کرو۔ اس عبارت میں لفظ **جحیم** کا **صلوہ** سے اور **سلسلة** کا **فاسلکوہ** سے پہلے لانا حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی جہنم اور زنجیر کے علاوہ کہیں بھی داخل نہ کرو۔

(۳۳-۳۴) **اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ** (ترجمہ:۔وہ نہ تو عظیم اللہ پر ایمان لاتا تھا اور نہ ہی اکساتا تھا۔) یعنی اپنے کو نہ مائل کرتا تھا اور نہ ہی ابھارتا تھا۔ **عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ** (ترجمہ:۔مسکین کے کھانا کھلانے پر) یا دوسروں کو مسکین کے کھانا کھلانے پر آمادہ کرتا تھا۔ اور نہ خود کو نا غیر کو مسکین کے کھلانے پر آمادہ کرتا تھا اور یہ بھی کہ کفار جانتے تھے جس طرح انہیں اصول دین یعنی اللہ اس کے رسول اور ملائکہ اور دوبارہ زندگی پر ایمان لانے کے لئے مخاطب کیا تھا اسی طرح ایمان کی فروع

یعنی ترک صلوۃ، زکوۃ اور مساکین کے اطعام کے لئے بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ابودرداء سے مروی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو شوربہ میں اضافہ کے لئے اکساتے تھے تاکہ مساکین کو دیا جا سکے اور کہا کرتے تھے کہ ہم نے آدھی زنجیر ایمان کے ذریعہ دور کر دی ہے کیا باقی زنجیر سے اطعام المسکین کے ذریعہ گلوخلاصی نہیں ہوگی۔اور اسی سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ سب سے شدید برائی اور عیب اللہ کا انکار ہے۔ اور سب سے زیادہ قابل نفرت عادت بخل ہے۔

(۳۵) فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ (ترجمہ:۔آج اس کا کوئی دوست نہیں ہے) یعنی آخرت میں۔حمیم یعنی قریب جو اس کی مدد کرے،اس کے عذاب سے بچائے اور اسے تسلی دے۔جیسا کہ اللہ نے فرمایا ما للظالمین من حمیم ولا شفیع یطاع (غافر ۱۸)

(۳۶) وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ (ترجمہ:۔سوائے پیپ کے ان کا کوئی کھانا نہ ہوگا) یعنی اس کے لئے آخرت میں کھانا نہ ہوگا مگر دوزخیوں کے پیپ۔یہ فعلین کے وزن پر غسل کے باب سے ہے۔ابن عباسؓ نے کہا اہل النار کی پیپ ہوگی۔قتادہ اور ابن زید نے کہا کہ وہ اور زقوم بہت بری چیز ہے۔ضحاک اور ربیع نے کہ وہ درخت ہے جسے دوزخ کے لوگ کھائیں گے اور کہا جاتا ہے کہ الضریع اور الغسلین ایک ہی ہیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الغاشیہ میں ذکر فرمایا لیس لھم طعام الا من ضریع پس ان کا طعام کانٹے دار جھاڑیاں ہوگا۔ابوالبقاء نے کہا اللہ کے اس مقام کے بیان اور دوسرے مقام الا من ضریع اور دوسری جگہ ان شجرة الزقوم طعام الاثیم کے بیان اور ایک اور جگہ "یا کلون فی بطونھم الا النار" کے قول میں مطابقت یہ ہے کہ ان کا طعام یہ سب ہی ہوگا یا کئی قسم کا عذاب ہوگا اور عذاب پانے والوں کے طبقات ہوں گے ان میں سے کچھ کا طعام الضریع ہے اور ان میں وہ بھی ہوں گے جن کا کھانا الزقوم ہے اور ان میں کچھ کا طعام آگ ہے۔جہنم کے ہر دروازے کے لئے ان کیلئے تقسیم کیا ہوا حصہ ہوگا۔

(۳۷) لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ (ترجمہ:۔سوائے خطا کاروں کے اسے کوئی نہیں کھائے گا) یعنی کافروں کے سوا۔ خاطئون کو ھمزہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔اور ھمزہ کے بغیر "ط" پر پیش کے ساتھ بھی اور ھمزہ کو "یا" سے بدل کر بھی

(۳۸) فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ (ترجمہ:۔میں قسم کھاتا ہوں اس کی جو تم کو دیکھ رہے ہو) مخلوقات میں سے یعنی حواس کے ذریعہ جن کا ادراک کر رہے ہو۔

(۳۹) وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ (ترجمہ:۔اور اس کی جو تم نہیں دیکھ سکتے) یعنی جن کا حواس کے ذریعہ ادراک تمہارے لئے ممکن نہیں۔ لا اقسم میں لا زائدہ ہے۔

(۴۰) اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (ترجمہ:۔یہ ایک معزز پیغام رساں کا لایا ہوا قول ہے) اور اس سے مراد جبرئیلؑ ہیں جیسا کہ اللہ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ انه لقول رسول کریم ذی قوة عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین۔ (التکویر ۱۹، ۲۰، ۲۱) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ وہ انتہائی کریم تھے اور وہ ہے مکارم الاخلاق سے

متصف ہونا اس کی ضد لوم ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ بلاشبہ یہ قول رسول کریم جس کی تبلیغ کرتے ہیں اور وہ قرآن مجید ہے وہ درحقیقت کلام الٰہی ہے اس کی جبرئیلؑ یا رسول اللہ ﷺ کی طرف اضافت تنزیل وتبلیغ کے اعتبار سے ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

(۴۱) **وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ** (ترجمہ:۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے) جیسا کہ کفار مکہ کے کچھ بیوقوف کہتے تھے **قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ** (ترجمہ:۔ لیکن تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو) یعنی تم اس کی تصدیق کرتے ہو کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے۔

(۴۲) **وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ** (ترجمہ:۔ اور نہ ہی کسی کاہن کا قول ہے) جیسا کہ ان میں سے بعض کا خیال تھا۔ **قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ** (ترجمہ:۔ کم ہے جو تم نصیحت قبول کرتے ہیں) دونوں مقامات پر لفظ ما اضافی ہے۔ اسے ''تا'' اور ''یا'' دونوں سے پڑھا جاتا ہے۔ اور یذکرون میں التفات عن الخطاب الی الغيبة ہے (مخاطب سے غائب کی طرف توجہ ہے) اور اس میں اس شخص کا رد ہے جو یہ کہتا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ کہتے ہیں وہ جادو یا کہانت ہے۔ مروی ہے کہ ابوجہل کہا کرتا تھا کہ محمد ﷺ شاعر ہیں اور ولید بن مغیرہ کہتا تھا کہ یہ ساحر ہیں۔

(۴۳) **تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** (ترجمہ:۔ حالانکہ سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ وحی ہے) یعنی قرآن مجید اللہ کی طرف سے محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ جمہور نے تنزیل کو پیش کے ساتھ اور ابوسمان نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔

(۴۴) **وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا** (ترجمہ:۔ اگر وہ ہمارے بارے میں بات بنا کر کہہ دیتے) جمہور نے فاعل پر مبنی پڑھا ہے یعنی ولو تقول مفعول **بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ** (ترجمہ:۔ کوئی بھی بات) اور یہ جمع الجمع ہے۔ جیسے کہ بیت' ابیات ' ابابیت۔ صاحب الکشاف نے کہا اقوال منقولہ کو گھٹا کر اور تحقیر کے طور پر بولا گیا ہے۔ جیسے کہ الاعاجیب والا ضاحیک اور معنی ہیں افتری و ادعی (گھڑنا ور جھوٹا دعویٰ کرنا)

(۴۵) **لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ** (ترجمہ:۔ تو ہم انہیں سیدھے ہاتھ سے پکڑ لیتے) فراء مبرد' زجاج اور ابن قتیبہ نے کہا کہ یمین یعنی القوة والقدرة اور یہی ابن عباسؓ نے کہا ہے۔ اور یہاں یمین کو قوۃ کے لئے استعارہ بنایا گیا ہے کیونکہ دائیں جانب قوت زیادہ ہوتی ہے۔ اور السدی نے کہا عاقبناه بالحق (ہم ان سے حق کے ساتھ عذاب دیئے) اور نفطویہ نے کہا لقبضنا بيمينه عن التصرف یعنی ہم تصرف سے پوری قوت کے ساتھ روک لیتے۔ اور کہا جاتا ہے کہ معنی ہیں ہم اسے رسوا کردیتے۔

(۴۶) **ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ** (ترجمہ:۔ پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے) وتین دل کے اندر رگ ہے جب وہ کٹ جاتی ہے تو انسان مرجاتا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا وتین پیٹھ کی ایک اندرونی رگ ہے۔ جو تمام رگوں کو اور گوشت کو خون فراہم کرتی ہے وہ رگ جسم کے لئے نہر کا کام کرتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ایک سفید رگ ہے جو ریڑھ کی ہڈی کے بیچ میں ہوتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دل کو خون پہنچاتی ہے اور وتین کے معنی ہیں خلب جگر کے اوپر کی جھلی کو کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے يناط القلب ہے اور کہا جاتا ہے کہ وتین سفید موٹی رگ ہے گویا کہ وہ سرکنڈا ہے۔ ابواسحاق نے کہا کہ یہ وہ رگ ہے جو پیٹھ کے اندر ہوتی ہے۔ کہ بلغتني شماخ نے کہا۔

اذا　بلغتنی　وحملت　رحلی　عرابة　فاشرتی　بدم　الوتین

معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم پر ایسی بات کا دعویٰ کرے جو ہم نے نہ کہی ہو تو ہم اسے پہلے پہل قوت سے پکڑتے ہیں اور پھر اسے قتل کر دیتے ہیں۔

(۴۷) **فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ** (ترجمہ:۔ پھر تم میں سے اس بچانے والا کوئی بھی نہ ہوتا) لفظ احد یہاں جمع کے معنی میں ہے اسی وجہ سے حاجزین اس کی صفت لاتے ہیں یعنی دفع کرنے والے۔ بصریوں نے کہا کہ جب آپ لا احد فی الدار اور مافی الدار احد کہتے ہیں تو دونوں ایک ہی معنوں میں ہوتے ہیں اور یہ لفظ پر مخاطب ہونے کی صلاحیت رکھنے والے کے لئے اسم ہے۔ اس میں واحد جمع کے مذکر و مونث یکساں ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ نے فرمایا۔ لستن کاحد من النساء (الاحزاب ۳۲) اور فرمایا لانفرق بین احد من رسله (البقرة ۲۸۵) یہی فراء زجاج اور حوفی کا قول ہے۔ اور ابوحیان نے اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ جب حاجزین کا لفظ ایک لغت ہے تو من احد مبتدا ہوگا اور منکم اس کی خبر ہوگی اسے قول ضعیف کہا ہے کیونکہ نفی خبر پر مسلط ہوتی ہے اور وہ ہے اس کا منکم کی جنس سے ہونا۔ لہذا وہ حجز پر متسلط نہیں ہو سکتی۔ اور اگر حاجزین خبر ہو تو نفی اس پر متسلط ہوگی اور معنی ہوں گے کوئی ایک بھی تم میں سے نہیں ہوگا جو اسے بچا سکے۔ میں کہتا ہوں من احد مبتداء نہیں ہے۔ بلکہ مبتداء ہے ما احد اور من زائدہ ہے اور نفی کا فائدہ دے رہی ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ مااحد حاجزون منکم عنه (تم میں سے کوئی ایک بھی اس سے بچانے والا نہیں ہوگا)

(۴۸) **وَاِنَّهٗ لَتَذۡكِرَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ** (ترجمہ:۔ اور بیشک پرہیز گاروں کے لئے یہ نصیحت ہے) یعنی قرآن اہل تقویٰ کو یاد دلانے والا ہے۔ کیونکہ وہ اس سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔

(۴۹) **وَاِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ مِنۡكُمۡ مُّكَذِّبِيۡنَ** (ترجمہ:۔ اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ تم جھٹلانے والے ہیں) یعنی تم میں سے بعض قرآن کی تکذیب کرنے والے ہیں۔ جنہیں ہم اس کا بدلہ دیں گے۔

(۵۰) **وَاِنَّهٗ** (ترجمہ:۔ یقیناً یہ) یعنی قرآن۔ **لَحَسۡرَةٌ** (ترجمہ:۔ ضرور حسرت ہے) یعنی ندامت۔ **عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ** (ترجمہ:۔ کافروں پر) قیامت کے دن اور اس لئے کہ وہ مسلمانوں کے ان کے رب کے پاس مراتب و مقامات دیکھیں گے تو حسرت و ندامت سے جلیں گے۔

(۵۱) **وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الۡيَقِيۡنِ** (ترجمہ:۔ اور بلاشبہ یہ حق الیقین ہے) یعنی محض یقین ہے کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔

(۵۲) **فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ** (ترجمہ:۔ تو اپنے عظمت والے رب کا نام لے کر اس کی پاکی بیان کر) یعنی جو اس کی شان کے لائق ہے اس سے اس کی پاکی بیان کریں۔ اور فصل لربک بھی کہا گیا ہے۔ "قل سبحان الله" بھی کہا گیا ہے اور محض اللہ کے شکر کے لئے ہے کیونکہ اس نے آپ کو اپنی وحی کا اہل بنایا ہے۔